Fikr-o-Nasar (Islamabad) 21:7 (1984)

ملا عبدالقادر بدایونی

(عہد اکبری کے ایک نامور مؤرخ اور ادیب)

اور ان کی کتاب نجات الرشید

غلام ربانی عزیز

ملا عبدالقادر بداؤنی ، اکبری دربار کے ان مشاہیر فضلا سے ہیں ، جنہیں اپنے علم و فضل کی سفارش سے شاہی دربار میں رسائی حاصل ہوئی . اور ہر چند کچھ عرصے کے بعد بادشاہ کے طور اطوار بدل گئے اور قدیم وضع کے لوگوں کیلئے ایسے نامساعد حالات میں وہاں ٹھہرنا مشکل ہو گیا . لیکن اہل غرض کی دراندازیوں کے باوجود ملا صاحب کے وقار میں کوئی فرق نہ آیا . بلکہ جب بھی انہوں نے بادشاہ سے گھر جانے کی رخصت طلب کی ، اکبر کو ان کی غیر حاضری شاق گزری ، اور اگر چار وناچار درخواست کو پذیرائی عطا ہوئی بھی تو ساتھ ہی جلد واپسی کے بارے میں تاکید فرما دی ۔ مگر بارہا ایسا ہوا ، کہ گھر بار اور اہل و عیال کی محبت نے واپسی کا راستہ روک لیا . ادھر سے تقاضے پر تقاضا ہونے لگا . سوچتے ، ٹھیک ہے ، بادشاہ ولی نعمت ہے ، مجھے ان کی خوشنودی مزاج کا ضرور خیال ہونا چاہیئے ، لیکن خویش و اقارب کا اضطراب اور بال بچوں کے آنسو بھی تو نہیں دیکھے جا سکتے . جب دل پر پتھر رکھ کر پھر حاضر دربار ہوتے ، تو چند روز تک عرض ونیاز کی اجازت نہ ملتی ۔ لیکن ان کی کار گـذاری کی نـوعیت ایسی تھی کہ بادشاہ کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے تھے ، چنانچہ جب بھی کسی

علمی مہم کا موقعہ پیدا ہوتا ـ ملا صاحب کی طلبی ہوتی ، اور سابقہ فروگزاشتوں پر قلم عفو کھینچ دیا جاتا .

ملا صاحب کا خاندان اس عہد کے پڑھے لکھے لوگوں میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا ، والد کا نام ملوک شاہ تھا ـ جو اپنے عہد کے نامور فضلا سے تھے ـ ہونہار فرزند نے شفیق باپ کے دامن تربیت میں رسمی علوم میں دستگاہ بہم پہنچائی ـ لیکن خوبی قسمت سے نرے ملا نہ تھے ـ ادبی ذوق ایسا پایا تھا کہ جو لکھتے ، پڑھنے والا عش عش کر اٹھتا مولانا محمد حسین آزاد ، جو ملا صاحب سے اس لئے برہم ہیں کہ زمانہ شناسی کے جوہر سے عاری تھے ، لکھتے ہیں :

« ان کی تاریخ مضمون و مقصد کے اعتبار سے اس قابل ہے کہ الماری کے سر پر تاج کی جگہ رکھی جائے » (١)

نظم میں بھی قلم لنگ نہ تھا ـ قادری تخلص تھا ـ بعض اوقات اچھا شعر نکال لیتے ـ گانے بجانے کا شوق بھی تھا ـ شطرنج بھی کھیلتے ، گویا مرد ہزار شیوہ تھے ـ

کچھ عرصہ شیخ مبارک کے حلقۂ درس میں بھی شامل رہے تھے ، اس لحاظ سے ابوالفضل اور فیضی کے ہمدرس تھے ـ ہر چند بعد میں ، اختلاف مسلک کی بنا پر باہمی گرم جوشی کی آب و تاب ماند پڑ گئی تھی ـ لیکن ہمدردی اور خیر خواہی کا رشتہ مدة العمر قائم رہا ، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ملا صاحب بہ اجازت وطن آئے ، اور بیمار پڑ گئے ، ہر چند انہیں واپسی کی جلدی تھی ، اور دوست احباب کے خطوط نے تانتا باندھ رکھا تھا ، کہ جلد از جلد واپس آؤ ، لیکن بیماری نے ہلنے نہ دیا ـ بعد از خرابی بسیار حاضر دربار ہوئے ، طویل توقف کی وجہ بیان کی ، اعیان شہر کی تحریری تصدیق اور حکیم کا سرٹیفیکیٹ بھی پیش کیا ، لیکن بادشاہ کا ملال دور نہ ہوا ، اور حاضری خدمت سے روک دیئے گئے ـ فیضی ان دنوں دکن کی سفارت پر تھے ، ہمدرس دیرینہ کی پریشان خاطری کا علم ہوا ، تو دل بھر آیا ـ چنانچہ بادشاہ

کو ایک عریضه سفارش لکھا ، ملا صاحب کے علم و فضل ، حسن خدمت اور وابستگی دربار کا ذکر کرکے درگزر کی التماس کی ، بادشاہ بھی اب ٹھنڈا پڑ گیا تھا ـ قدردان تھا ـ مقصد انتباہ تھا ـ وہ پورا ہو چکا تھا ـ اب منه بسورنے میں کیا دھرا تھا ـ چنانچه خطا معاف ہوئی اور دربار میں آنے جانے کی اجازت مل گئی ، لیجیئے ، سفارشی عرضداشت کے کچھ فقرے آپ بھی پڑھ لیجیئے .

"شکسته نوازا ، ملا عبد القادر اهلیت تمام دارد ، و علوم رسمی آنچه ملایان هند می خوانند ، خوانده و پیش ابوی کسب فضیلت کرد ـ وقریب به سی و هفت سال می شود ، که بنده او را می دانم بافضیلت علمی طرح نظم و سلیقهٔ انشای عربی و فارسی و چیزی از نجوم هندی و حساب ـ یاد داشت ، درهمه وادی و وقوف در نغمهٔ ولایت و هندی وخبری از شطرنج صغیر و کبیر کرده ـ باوجود بهره مند بودن از همه فضائل ، به بی طمعی و قناعت و کم تردد نمودن و راستی و درستی و ادب .... اخلاص و عقیدت بدرگاه بادشاهی موصوف است " (۲)

ترجمه :

(شکسته نوازا ـ ملا عبدالقادر بڑی اهلیتوں کے مالک هیں ، اور تمام وہ علوم جو هندوستان کے علماء پڑھتے آئے هیں ، انہوں نے بھی پڑھے هیں ـ اور میرے والد کے حلقهٔ درس میں شامل تھے ـ میں انہیں گزشته ۳۷ برس سے جانتا هوں ـ علمی فضائل کے ساتھ نظم کہنے ، فارسی اور عربی نثر نویسی کے علاوہ جوتش اور حساب میں بھی صاحب استعداد هیں ـ نیز ایرانی اور هندوستانی موسیقی اور شطرنج کبیر و صغیر هر دو کے رموز و غوامض کو جانتے هیں ـ باوجود ان اوصاف مذکورہ کے وہ لالچ سے پاک هیں ، مزاج میں قناعت ہے ، معاملات دنیا سے بے اعتنا سے هیں ، اور راستی ، درستی عمل اور ادب ، آداب سے واقف هیں ـ اور سب سے بڑھ کر یه انہیں ذات

همایونی سے عقیدت اور اخلاص ہے۔

اس مبنی بر اخلاص درخواست کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے ، کہ باوجود اس ذہنی بُعد کے ، جس کا بیج اکبر کے دین الٰہی نے بویا تھا ۔ معاشرتی موالات کا سلسلہ اور دیرینہ رفاقت کا رشتہ علیٰ حالہ قائم تھا ، ورنہ فیضی کو کیا پڑی تھی ، کہ اتنے دور و دراز مقام سے اس پھٹے میں ٹانگ اڑاتا۔

ملائے بدایونی ان لوگوں سے تھے ، جو اکبر کی اسلام دشمن روش سے بیزار اور ان همرهان غلط اندیش کے خلاف ، جو اس رنگ میں رنگے ہوئے تھے ، سراپا احتجاج تھے ، شیوۂ ابنائے روزگار ہے ، کہ پسند و ناپسند پر ہزار پھرے بٹھائیں . دل کی بات زبان پر آ ھی جاتی ہے۔ قیاس چاھتا ہے کہ ملا صاحب بھی جو کچھ سوچتے ہونگے ، خلوت و جلوت میں اس کا اظہار ضرور ہوتا ہوگا ۔ اور فتنہ پسند طبیعتیں نمک مرچ لگا کر بات کا بتنگڑ بنا دیتی ہونگی . اکبر سنتا ہوگا تو تلملا اٹھتا ہوگا ، لیکن ان کی علمی خدمات کا حسین مرقع شفیع بن کر سامنے آ جاتاھـو گا اور جذبۂ معارف پروری بادشاہ کو بے بس بنا دیتا ہوگا ۔

جب تک دربار کی فضا میں مذہب کا طوطی بولتا رہا ، علما کی پانچوں گھی میں تھیں ۔ بادشاہ ناتجربہ کار اور خام ذہن تھا ۔ گویا جاہ پرست علما کے ھاتھوں میں موم کی ناک تھا ، جدھر چاھتے مروڑ دیتے ، ان دنوں دربار کا معمول تھا کہ اکثر مذہبی مسائل پر مباحثے ہوتے اور عاقبت نا اندیش علما ہیکڑی جتانے اور مقابل کو ذلیل کرنے کی خاطر جو منہ میں آتا کہہ دیتے ، بادشاہ اس باب میں لاشے محض تھا ۔ گونگا بنا سنا کرتا ۔ جب رفتہ رفتہ نوبت نقل سے عقل تک پہنچی تو اکبر کو بھی اظہار رائے کا موقعہ ملتا . اور اکثر ایسا ہوتا کہ اس میدان میں " ظل الٰہی " کا پلہ بھاری رھتا ۔ اور علما جھینپ کر خاموش ھو جاتے " .

اکبر کو تخت نشین ہوئے پندرہ برس ھو چکے تھے . اس اثنا میں اس کے

مشاھدے نے اسے جاہ طلب علما سے متنفر کر دیا تھا ۔ چونکہ ان پڑھ تھا ۔ اور مبادیات اسلام سے قطعاً نابلد ، مناظرین کی باھمی نوک جھونک میں ، لاعلمی اس کی زبان پر تالا لگا دیتی ، علما کی زبان درازی اور اپنی بے بسی پر کڑھتا۔ چنانچہ اس احساس نے اس کے دل میں اسلام کے خلاف بلا کی نفرت بھر دی؛ اور آخر وہ دن آ گیا کہ بادشاہ کے بے پناہ جذبۂ انتقام نے مذھب کو دیس نکالا دے دیا ۔ اگر اکبر کی نفسیات کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے ، تو صاف دکھائی دیتا ہے ، کہ اسلام کے خلاف اس کا سارا عناد اسی نامبارک جذبے کی کارستانی تھا جو گزشتہ پندرہ برس سے اس کے دل کی گہرائیوں میں پرورش پا رہا تھا ۔ وہ علما کے قال اقول کو سمجھنے کی استعداد سے محروم تھا ۔ علمی مناظروں میں بت بنا بیٹھا رھتا ، اور جوں جوں اپنی علمی بے بضاعتی پر غور کرتا ، احساس کمتری کی دھار تیز تر ھوتی جاتی اور یوں اس کا دماغ اس ادھیڑ بن میں لگ جاتا ، کہ کیونکر کوئی ایسی سبیل پیدا ھو کہ اسے اس ذھنی کوفت سے جس نے اس کے سکون قلب کو غارت کر رکھا ہے ، نجات حاصل ھو ۔ اس لحاظ سے دین الٰھی کی بدعت اس کی اپنی شکست خوردہ ذھنیت کی حیلہ گری اور طبیعت کی کرشمہ سازی تھی ۔ گویا جس دین کے علمی مباحثوں کو سمجھنے کی اھلیت سے وہ عاری تھا اس دین کو اس کی قلمرو میں رھنے کا کوئی حق نہ تھا ۔ یار لوگوں کو اور کچھ نہ سوجھی تو ابوالفضل اور فیضی کو ھدف بنا لیا ۔ حالانکہ وہ تو صرف بادشاہ وقت کی ھاں میں ھاں ملانے کے گنہگار تھے ، اور یہ وہ قصور تھا جس میں اکثر و بیشتر امرا اور علما ملوث ھو چکے تھے ، اسے کہتے ھیں ، طویلے کی بلا ، بندر کے سر

تعظیمی سجدہ ، اکبری انتقام کی انتہائی گھناؤنی شکل تھا جو دین الٰھی اکبر شاھی میں داخلے کی لازمی شرط تھی ۔ چنانچہ ڈھلمل یقین علما کی ایک اچھی خاصی تعداد ، جو معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے کی تکفیر پر اتر آتے ، اسلام سے قطع تعلق کر کے اکبری رعونت کے

سامنے سجدہ ریز ہو گئی ، جس سے اس کی مجروح انانیت کو بڑی مسرت ہوتی ۔ ملا عبدالقادر اور اس قماش کے کچھ اور لوگ مغتنمات سے تھے ، اگرچہ اس طوفان کفر و لادینی کے آگے بند باندھنا ، جب کہ آوے کا آوا بگڑ چکا ہو ان کے بس کی بات نہیں تھی ۔ لیکن ان کی استقامت سے ، عوام کی ڈھارس بندھ جاتی کہ کفر کے اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں وہ روشنی کی ایک کرن تھے ، ایک دفعہ ملا صاحب برائے رخصت حاضر ہوئے ، بادشاہ رضا مند نہ تھا ، خواجہ نظام الدین نے بھی سفارش کی ، بصد مشکل اجازت ملی تو صدر جہاں نے دو دفعہ کہا ، .. سجدہ کن " ، لیکن ان سے نہ ہو سکا ، یہ خود تو برمزا ہوئے ہی تھے ، انکار سے بادشاہ کو بھی بدمزہ کر دیا ۔ حق یہ ہے ، کہ ایسے نازک موقع پر ثابت قدمی دکھانا بڑی جان جوکھوں کا کام ہے ، اور اس امتحان میں صرف وہی شخص کامیاب ہو سکتا ہے جسے خدا پر کامل یقین ہو اور اس کی رضا کی خاطر جان پر کھیل جانے سے دریغ نہ کرے ۔

اکبر کے عہد تک یہ دستور چلا آ رہا تھا ۔ کہ مسلمان سلاطین ، دین کے کسٹوڈین شمار ہوتے تھے ، نتیجتاً مسلمان عوام کی زندگی میں اسلام کی ایک جھلک ہر جگہ دیکھی جا سکتی تھی ، جب اکبر کی بےدینی کے صدقے میں دربار کا چلن بگڑا ، تو ہندؤں نے ، جو بھرے بیٹھے تھے ، موقعہ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ، دست درازی اور تشدد پر اتر آئے اور مار دھاڑ کے مظاہرے روز مرہ کا معمول بن گئے ، مسجدیں اجڑنے لگیں ، قرآن پڑھنا اور اذان دینا ممنوع قرار پایا ، یہ سلسلہ اتنا پھیلا ، کہ مسلمان امرا نے بچوں کا ختنہ کرانا چھوڑ دیا ، اور مرنے جینے کے سارے نقشے نے ہندوانہ چادر اوڑھ لی ، ہر بات پر مسلمانوں کی بھد اڑائی جاتی تاکہ احساس کمتری کا شکار ہو کر اسلام سے رشتہ توڑ لیں ۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ، کہ چیرہ دستوں نے ، مسلمان عورتوں کو زبردستی گھروں میں ڈال لیا ۔ ان بچاروں میں اتنی سکت

نہ رہ گئی تھی کہ دم مار سکیں ، گویا اس گھر کو گھر کے چراغ نے جلا کر بھسم کر دیا تھا ـ ھمارا اندازہ ھے ، کہ ان ھی ناگفتنی حالات نے ، ملا صاحب کی ملی غیرت میں تحریک پیدا کی ـ اور ان کے سحر نگار قلم نے اس کتاب کو جنم دیا اگرچہ خود ملا صاحب کی اپنی تصریح کے مطابق ، جو درج ذیل ھے ـ اس خیال کی تصدیق نہیں ھوتی ـ لیکن مولانا آزاد اس باب میں ھمارے ہم نوا ھیں : ملا صاحب لکھتے ھیں :

„ یکی از اصحاب رفعت و ارباب مکنت لایزال کاسمه (۴) نظام الدین احمد ، که صورتش لطف مجسم و حقیر را رسم اخلاص باو مستحکم بود ، طوماری داد مشتمل بر ایراد عیوب دل و آفات نفس از قلیل و کثیر و محتوی بر بعضی از افراد گناهان صغیره و کبیره ، و فرمود که چون ذکر این جرائم وکبائر ذمائم که دانستن آن ازعظایم عزایم است ، اینجابر سبیل اجمال است ، به تفصیل و دلیل باید که پاره دیگر اضافه ساخته منشا و مآخذ آن ها را درمیان ایجاز مخل وا طناب ممل بیان کنی ، تاشاید که این جمع موجب نفع تام برائی عام شود ، وحق سبحانه بآن واسطه اجتناب از امور ناصواب روزی فرماید „

(ترجمه)

بادشاہ کے رفیع المرتبت اور ذی اقتدار مقربین میں سے ایک صاحب نے ، جو اپنے نام (نظام الدین احمد) کی طرح غیرفانی اوصاف کے مالک ھیں ، اور جن کی ذات سراپا خلوص ھے ـ اور مجھے جن کی ذات سے اخلاص اور عقیدت ھے) ایک دفعہ چند اوراق عطا فرمائے ، جن میں دل کی بیماریوں اور نفس کی چھوٹی بڑی خرابیوں کا ذکر تھا ـ اور بعض صغیرہ اور کبیرہ گناھوں کا تذکرہ تھا ، مجھ سے کہنے لگے ، چونکہ ان جرائم اور برائیوں کا ذکر ، جن سے واقفیت از بس اھم ھے ـ ان اوراق میں بالاجمال ھوا ھے ، اسی لئے آپ کوچاھئیے ، کہ آپ اسے ذراتفصیل سے ، بیان کر کے دلائل

و براهین سے اس کی توثیق فرمائیں، اور ان کے ماخذ اور منابع ایسے انداز سے بیان کریں ، کہ نہ تو وہ اتنا مختصر ہو ، کہ وضاحت مطلب سے قاصر رہے اور نہ اتنا مفصل ہو کہ پڑھنے والا اکتا جائے . ممکن ہے ، یہ مجموعہ عوام کے لئے باعث خیر و برکت ہو، اور اس وسیلے سے ہم برے کاموں کے ارتکاب سے بچ جائیں بفضلہ و منہ .

اس کے بارے میں مولانا آزاد لکھتے ہیں :

"یہ مصنفوں کے معمولی بہانے ہیں در حقیقت کتاب مذکور میں ان مسائل کی تفصیل ہے ، جو ان دنوں علمائے دین دار اور اکبری دربار میں اختلافی شمار ہوتے تھے" (۳)

مطالب کتاب پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے ، کہ فاضل مصنف نے اسلامی معاشرے کے ایک ایک پہلو پر بالتفیصل بحث کی ہے ۔ اور کوئی معمولی سے معمولی بات بھی ایسی نہیں جس پر انہوں نے اظہار خیال نہ کیا ہو : مثلاً

فصل اول در گناهان کبیرہ ، جن میں شہادت دروغ (جھوٹی گواہی) ، سوگند دروغ (جھوٹی قسم) ، ترک صلوۃ (نماز نہ پڑھنا) اور ترک زکوۃ زکات نہ دینا) بھی شامل ہیں.

فصل دوم درکبائر منجر بہ کفر (وہ کبیرہ گناہ جو کفر تک لے جاتے ہیں) اس میں چھوٹی موٹی چالیس ذیلی فصلیں ہیں ، جن میں مندرجہ ذیل امور بھی مندرج ہیں :

۱۔ کاهن را باور داشتن (کاہن کی بات ماننا) ۲۔ غلو در علم فلسفہ کردن (حصول علم فلسفہ میں حد سے بڑھنا۳۔ کافران را راز دار ساختن (کافروں کو راز دار بنانا) ۴ عادت کفار بجا آوردن (کفار کی عادتیں اپنانا) ۵ ۔ کتب پیشنیان خواندن (پہلے لوگوں کی کتابیں پڑھنا) ٦ ۔ سب دهر کردن (زمانے کو برا بھلا کہنا) ۷۔ تعظیم اهل بدعت (بدعتیوں کی عزت کرنا) ۸۔ ناسپاسی منعم (خدا کی ناشکری) ۹۔ غلو در مسئلہ قضا و

قدر (مسئله تقدیر پر غیر ضروری بحث) ۱۰ـ استہزائے مسلماناں (مسلمانوں سے تمسخر) ۱۱ـ بسم اللہ بر حرام خواندن (حرام چیز پر بسم اللہ پڑھنا) ۱۲ ـ معنی قرآن بے علم گفتنی (بغیر از علم قرآن کے معنی بیان کرنا)

فصل سوم ، اس فصل میں بھی چالیس ذیلی فصلیں ھیں ـ جو احکام شرعیه کی عدم پابندی سے شروع ہو کر "مردگان را دشنام دادن" پر ختم ہوتی ھیں ، ابتدائی پانچ فصلوں میں احکام شرعیه سے عدم مبالات کا ذکر ھے ، بعده اخلاقی عیوب کا شمار ہے جو قمار بازی اور راہ زنی سے لے کر چاپلوسی ، غیبت ، بدگمانی اور رشوت خوری وغیرہ افعال پر مشتمل ھیں .

فصل چهارم حقوق اللہ کے بارے میں ہے ، اس میں بھی چالیس ذیلی فصلیں ھیں ، جن میں روزمرہ کے معمولات کا ذکر ہے ، مثلاً برهنه به حمام در آمدن (حمام میں ننگے داخل ہونا) در سوراخ بول کردن (سوراخ میں پیشاب کرنا) درخت سایه دار را بریدن(سایہ دار درخت کو کاٹنا) ، تاخیر در ادائی قرض (قرض ادا کرنے میں دیر کرنا) شگون گرفتن (فال لینا) به پدران فخر کردن (نسب پر فخر کرنا) اور جزع و فزع وغیرہ .

فصل پنجم میں ان جرائم کا ذکر ھے ، جو منافی مروت ھیں ـ یہ فہرست بھی چالیس ذیلی فصلوں پر مشتمل ھے ، جن میں مندرجہ ذیل عنوان بھی شامل ھیں :

۱ ناخن دراز گزاشتن (ناخن بڑھانا) ۲ ریش تراشیدن (ڈاڑھی منڈانا) ۳ ابرو تراشیدن (بھویں صاف کر دینا) ۴ مسواک ترک کردن (مسواک نہ کرنا) ۵ جامه ابریشم پوشیدن (ریشمی کپڑے پہننا) ٦ شراب کشیدن (شراب کشید کرنا) ۷ نرد باختن (چوسر کھیلنا) ۸ حیله آموزی (مکر و فریب) ۹ سرود از زن بیگانه شنیدن (غیر محرم عورت کا راگ یا گانا سننا) ۱۰ ـ بستن شارع عام(شاهراہ کو روک دینا) ۱۱ زدن زیردستان (کمزوروں کو ستانا) ۱۲ رنجانیدن همسایه (همسایے کو دکھ دینا)

فصل ششم در جرائم دیگر ، اس کے ذیلی فصلوں کی تعـداد بھی چالیس ھے ـ ان جرائم کی فہرست میں امور ذیل بھی مذکور ھیں :

۱ پیران را اھانت کردن (بوڑھوں کی توھین) ۲ طفلان را زدن (بچوں کو پیٹنا) ۳ سائل را زجر کردن (منگتے کو دھتکارنا) ۴ فحش گفتن (گالی بکنا) ۵ ترک دوستی کردن (تعلقات دوستی ختم کر دینا) ٦ دربروی فقیر بستن (فقیر کو آتا دیکھ کر دروازہ بند کرنا) ۷ فقیر را رنجانیدن (فقیر کو دکھ دینا) ۸ پلیدی در راہ انداختن (راہ میں غلاظت پھینکنا)

فصل ھفتم دربیان چہل خطاھائی کہ جملہ تقصیراتست ، اس فصل میں بھی چالیس ذیلی فصلیں ھیں ـ ان فصول میں بعض ایسے عنوان بھی ھیں ، جن کا نام تو مصنف نے لکھ دیا ، لیکن بحث نہیں کی ، چنانچہ خود لکھتے ھیں :

„ وچون عجالۃ اکثر درسفر نوشتہ شدہ وکتابہا در نظر بنود اگر بعضی را دلیل مذکور نہ شود ، معذور باید داشت ، و اگر ناظران بہ درج ساختن آن ممنون سازند ، ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین „

(ترجمہ)

اور چونکہ یہ اوراق (کتاب) دوران سفر میں جلدی میں لکھے گئے ھیں ، اور کوئی کتاب پیش نظر نـہ تھی ، اگر کسی بات کی دلیل بیان نہیں ھو سکی ، تو معـذور سمجھا جائے ، اور اگر ناظرین (قاری) حضرات ان دلائل کا ذکر فرما دیں ، تو عنداللہ ماجور ھونگے ـ

خاتمہ در توبہ و قبول آن ، اس میں اولاً صوفیا کے چند طائفوں کا ذکر کر کے دنیا کی بےثباتی اور ناپائداری پر کم و بیش سولہ تمثیلات بیان کی ھیں ، اور مختلف حکایات بیان کر کے مفید مطلب نتائج اخذ کئے ھیں ـ

مصنف کا طریق بحث یہ ھے ، کہ اولاً وہ بہ شرط ضرورت زیر بحث عنوان کی تعریف بیان کر کے اس کی وضاحت کرتے ھیں ، پھر قرآن کریم کی

آیات اور رسول کریمؐ کی احادیث لا کر اس پر عمل پیرا ہونے یا اس سے اجتناب کی تاکید کرتے ہیں ، اور چونکہ انہیں قرآن اور حدیث پر پورا پورا عبور حاصل ہے ، اس لئے وہ ہر عنوان کے تحت موزوں آیات اور احادیث درج کرتے جاتے ہیں ، اور جہاں ضرورت پڑتی ہے ، بہ غرض مزید وضاحت ، سلف صالحین کے اقوال نیز تمثیلات اور حکایات سے بھی امداد لیتے ہیں ، فاضل مصنف نے اس باب میں اتنا اہتمام کیا ہے ، کہ اسلامی اوامرو نواہی میں سے کوئی بات بھی ان کی نظر سے اوجھل نہیں رہ سکی ، بلکہ اگر یہ کہا جائے ، کہ ان اوراق میں انہوں نے اسلامی معاشرے کے ماله و ماعلیه کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے ، تو اس میں ذرا مبالغہ نہ ہو گا .

مزید براں ہندوستانی معاشرے کے ایسے آداب جنہیں اسلامی زاویہ نگاہ سے مستحسن نہیں سمجھا جاتا ، فاضل مصنف نے ان پر اپنی طرف سے معقول دلائل پیش کر کے حقیقت کو دل نشین کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

اس اہتمام سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے ، کہ ملا صاحب کو اس تصنیف کی تسوید کے دوران میں تصنیفی ذمہ داری کا کتنا شدید احساس تھا ۔ چنانچہ بعض اوقات وضاحت عنوان کے لئے ایسی ایسی لذید حکاتیں لکھ جاتے ہیں ۔ کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے ، مثلاً سیرو پیاز خام خوردن کے ذیل میں لکھتے ہیں :

" می گویند که روزی قدوة العارفین ختم خلفائی خواجگان نقشبندیه به خدمت مولانا زین الدین بهدائی قدس الله ارواحهم طعامی می کشیدند ، که درآن سیرو پیاز بود ، یکی از محتسبان قندهار که درتعصب وتزهد یگانه روزگار بود ، از اخوند پرسید ، که پیغمبر علیه السلام سیرو پیاز خورده اند ، در بدیهه فرمودند که روزی پیغمبر شوی تو هم نه خوری"

(ترجمه)

(کہتے ہیں ، ایک دفعه امام العارفین ، خواجگان نقشبندی کے آخری

خلیفه ، مولانا زین الدین بہدائی کی خانقاہ میں دعوت طعام میں شریک تھے ، اور دستر خوان پر پیاز اور لہسن پڑا ہوا تھا ، قندھار کا ایک محتسب بھی جسے زاہد خشک کہنا چاہیئے اس دعوت میں شریک تھا۔ اس نے امام العارفین سے دریافت کیا ، کہ آیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی لہسن یا پیاز کھائی تھی۔ حضرت خواجہ نے بلا تامل فرمایا . جس دن تمہیں پیغمبری مل گئی ، تم بھی نہ کھانا۔)

ذرا آگے چل کر امامت قومی بی رضای ایشاں ، کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں : (عوام کی رضا مندی کے بغیر امام بننا)

۔ نقل است ، که امیر المومنین علی رضی اللہ عنه می فرمود ، من می خواهم ، که دو اسپ تیز دو همیشه بر در من بسته باشند تا بریکی سوار شوم و از جائی که مرا به امامت خوانند زود تر بگریزم ۔ وبر دیگری بجائی که برائی اذان گفتن مرا طلبند خود را برسانم

(ترجمه)

(منقول ہے که حضرت علی کرم اللہ وجہه فرمایا کرتے ، میری خواهش ہے ، که دو تیز رفتار گھوڑے همیشه میرے دروازے پر بندھے رهیں ۔ تاکه جہاں مجھے امامت کے لئے بلائیں ، میں ان میں سے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر فوراً وهاں سے دور بھاگ جاؤں۔ اور جہاں مجھے اذان کہنے کو بلائیں دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر جھٹ وهاں جا پہنچوں)۔

ایک عنوان ہے ، ریش بافتن به مروارید وامثال آں اس سلسلے میں لکھتے ہیں : ڈاڑھی کے بالوں میں مروارید اور موتی پرونا)

آورده اند ، که در زمانی که موسی علیه السلام سوئی طور به مناجات می رفت ، زاهدی آمده نزد او نالید و گفت ، مدت هفتاد سال است ، که به عبادت و ریاضت مشغولم ، در کار من هیچ کشایشی نمی شود ، نمی دانم که این سد باب نتیجه کدام فعل شوم من است ، چون موسی علیه

السلام از جانب او بدرگاه کبریا این التماس نمود . فرمان آمد که وی را بگو ، که تو همیشه به ریش خود در مانده ای و به آراستن آن مقیدی ، کاریکه برائی ما کرده باشی ، کجاست ، زاهد این جواب از رب الارباب شنید و او به کندن ریش شب و روز مشغول شد ، باز جواب شنید . که همه سروکارت به ریش افتاده ، وما از تو ناراضی ایم .

(ترجمه)

(کہتے ھیں ، کہ جن ایام میں موسی علیہ السلام دعا ومناجات کیلئے کوہ طور کو جا رہے تھے . ایک راھب ان سے ملنے آیا ، اور رو کر کہنے لگا کہ میں گزشتہ ستر سال سے عبادت اور ریاضت میں مشغول چلا آ رہا ہوں . لیکن میری مشکل ہے ، کہ حل ھی نہیں ہوتی . نہ معلوم در رحمت کی بندش میری کس کوتاھی کی سزا ھے ـ جب موسی علیہ السلام نے جناب باری میں یہ درخواست پیش کی تو ادھر سے فرمان نازل ھو ـ اسے کہہ دو ، تو ہر وقت اپنی ڈاڑھی کے بنانے سنوارنے میں لگا رہتا ہے ، بتا تو سہی ، کہ تونے ھماری خوشنودی کے لئے کون سا کام کیا ہے ـ جب راھب کو اس کا علم ھوا ، تو اس نے ڈاڑھی کو نوچنا شروع کر دیا ، اور دن ھو کہ رات ، اس کام میں مصروف رہتا ـ اس اثنا میں پھر ادھر سے ندا آئی ـ اب بھی تو اپنے پرانے شغل سے باز نہیں آیا ھم تجھ سے اب بھی اسی طرح ناخوش ھیں)

ناسپاسی منعم کے عنوان کے تحت حضرت جنید بغدادی کا ایک واقعہ بیان کرتے ھیں .

« نقل است ، که یکی از سید الطائفه جنید قدس الله روحه را پرسید ، که اگر کسی بگوید ، که همه حرکات و سکنات من از حق است ، چنانچه حرکت آستین از دست یا حرکت برگ گاه از باد ، تو چه می گوئی ؟ فرمود ، اگر گوینده مقید به احکام شریعت است ، موحدی است پاک ، و اگر باین سخن حیلۀ لذت جوید ، ملحدی است بی باک »

(ترجمہ)

(روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت جنید بغدادی سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس کی تمام حرکات و سکنات کا سرچشمہ ذات باری ہے، مثلاً آستین کی حرکت جو جنبش دست سے پیدا ہوتی ہے یا گھاس کے تنکے کی لرزش بھی جس کا سبب ہوا ہے۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں ؟ فرمایا : اگر ایسا شخص احکام شرع کا پابند ہے تومیری نگاھوں میں وہ موحد پاک باز ہے اور اگر وہ گفتگو میں لطف پیدا کرنے کیلئے فلسفہ بگھار رہا ہے تو ایسے شخص کو میں ملحد بے باک کہونگا)

اب ایک واقعہ شبلی بغدادی رحمہ اللہ کا بھی سن لیجئے :

«شبلی رحمہ اللہ می گوید ، کہ چون منصور حسین حلاج را آن واقعہ دست داد ، مرا در آن شب خواب نہ برد ، و مناجات کردم کہ خداوندا منصور دوست از دوستان تو بود ، اورا بہ این خواری چون روا داشتی ، آوازی شنیدم ، کہ اورا برسریکی از اسرار خود مطلع ساختم ، نتوانست او را نگاہ داشت ، سزائی خود یافت ».

ترجمہ)

(شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے مذکور ہے ، کہ جب منصور بن حسین حلاج کو وہ درد ناک واقعہ پیش آیا تو میں رات بھر نہ سو سکا ۔ اور جناب باری میں مصروف مناجات رہا ،"بار الہا ، منصور تو تیرا فدائی تھا ، تو نے اسے کیوں رسوا کیا ،، ندا آئی ہم نے اسے اپنا ایک راز بتایا تھا ، جسے وہ چھپا نہ سکا . یہی اس کی سزا تھی)

ان حکایات سے بہ آسانی اس امر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ، کہ فاضل مصنف نے انسانی فطرت کی اعجوبہ پسندی کے پیش نظر کتنا عمدہ انتخاب کیا ہے ۔ چنانچہ ان حکایات کے ذکر سے جہاں موضوع کی وضاحت ہوتی ہے ، وہاں کتاب کی دل چسپی اور افادیت میں بھی کئی گنا اضافہ ہو جاتا

ہے ۔ مصنف نے مختلف عنوانات کے تحت کم و بیش پونے دو سو حکایات بیان کی ہیں ، جو حد درجہ دل چسپ اور سبق آموز ہیں ، اور چونکہ کتاب کا موضوع مذہب اور اخلاق ہے ، ظاہر ہے ، کہ ہر آدمی کو ان سے لگاؤ مشکل ہے لیکن ان دل چسپ حکایات کی وجہ سے موضوع کی یبوست کا احساس تک نہیں ہوتا ۔

اب ہم ملا صاحب کی اس تصنیف کی لفظی اور معنوی خوبیوں کے بارے میں ذرا تفضیل سے گفتگو کرتے ہیں ۔

ملا عبدالقادر اکبری عہد کے مشہور وقائع نویس اور بےلاگ مورخ ہیں ، وہ عمر بھر دربار سے منسلک رہے ، ہر چند اختلاف نظریات سے دلوں میں دوری پیدا ہو گئی تھی ۔ لیکن چونکہ بادشاہ ان کی علمی خدمات کا دل سے مداح تھا ۔ اس لئے باوجود خواہش کے وہ دربار سے علیحدہ نہ ہو سکے، جو اس امر کا بین ثبوت ہے ، کہ دوست ، دشمن کو ان کی قابلیت کا اعتراف تھا ۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں :

" ان کے جواہر معانی ، صفائی بیان کے ورقوں میں جگمگائے ، فاضل مذکور میں بڑی خوبی یہ ہے ، کہ ہر شخص کے خصائل اور جزوی جزوی عادات اور اطوار کو سمجھتے ہیں ، اور اس خوبی سے بیان کرتے ہیں ، کہ جب پڑھو ، نیا لطف حاصل ہوتا ہے ، اصل بات یہ ہے ، کہ طرز تحریر کا بھی اک ڈھب ہے یہ خوبی ان کے قلم میں خدا داد تھی "

(نوٹ ۔ یہ ٹکڑے متفرق مقامات سے لئے گئے ہیں)

سادہ گوئی اور آساں نگاری کے وصف میں ملا عبدالقادر اپنے دو قابل احترام اور فاضل معاصرین علامہ ابو الفضل اور خواجہ نظام الدین احمد صاحب طبقات اکبری سے کسی لحاظ سے پیچھے نہیں ۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے ، تو ابو الفضل اپنی دقت پسندی اور مشکل نویسی کی وجہ

سے ایک ھوّا دکھائی دیتے ھیں ، بہتر معلوم ھوتا ھے۔ کہ آپ ان کے بارے میں مولانا آزاد کی رائے پڑھ لیں :

„ شیخ انشا پردازی کا بادشاہ تھا ۔ مضامین کا ھجوم ، عبارت کا جوش و خروش ، لفظوں کی دھوم دھام ، کلمات مترادف کی بہتات ، ھر واقعہ کے ساتھ اس کی دلیل و برھان ، کئی کئی کاف بیانیہ ، جملے معترضے ، فقرے پر فقرہ چڑھتا چلا آتا ھے ، کہ کمان کیانی ھے ، کہ کھچتی ھی چلی جاتی ھے „ (۴)

ظاھر ھے ، جو انشا ان خصوصیات کی حامی ھو گی ، آپ اسے خاصے کی چیز تو کہہ سکتے ھیں ، جسے ھر عالم و فاضل آدمی اپنے کتابخانے کی زینت خیال کریگا ۔ لیکن عام پڑھے لکھے لوگوں کو اس کے نام سے وحشت ھو گی ، اول تو کوئی اس کے پاس بھی نہیں پھٹکیگا ، اور اگر کسی نے جرأت کی بھی ، تو جلدھی اس بھاری پتھر کو چوم کر رکھ دیگا . انشائے ابو الفضل کو اٹھا کر دیکھئے ، الفاظ پرے باندھے چلے آ رھے ھیں ، استعارہ اور تشبیہ کی وہ بھر مار ھے کہ آدمی اکتا جاتا ھے لیجئے ھم ذیل میں اکبر نامہ کی چند سطریں بہ غرض وضاحت پیش کرتے ھیں :

„ شہر یار معدلت دوست ، در حواشی دیپال پور ، عبارت نشاء تجرد وتعلق را در نقاب شکار بہ تقدیم رسانیدہ ، صورت رابہ معنی مزاج یکتائی می بخشد ، و ظاھر را پایہ باطن میدھد ، گلبانگ اعتدال ربیعی چھرہ افروز انبساط آمد ، نشاط را بارگاہ فراخ زدند وھنگامہ بخشش رونق دیگر پذیرفت ، شب دو شنبہ فروغ افزائی نورستان ایزدی ، پر تو خرمی بہ حمل انداخت ، مناظر صورت را رنگ آمیزی مطالع انوار حقیقت در گرفت "

(ترجمہ)

(عدالت پسند بادشاہ نے تجرد (از خلق) اور تعلق (باللہ) کی قلبی

کیفیت کو ظاہری لباس میں جلوہ گر کرنے کو نواح دیپالپور میں شکار کھیلنے کی غرض سے نزول اجلال فرمایا ، اور صورت و معنی کو ملا کر یک جان کر دیا ، اور ظاہر کو لباس باطن عطا فرمایا ۔ اس واقعہ پر موسم بہار کے اعتدال سے ، مسرت کا چہرہ تمتما اٹھا ، اور خوشیوں کا خیمہ اور زیادہ وسیع و عریض ہو گیا اور ہنگامہ جود و سخا کی رونق کئی گنا بڑھ گئی ۔ سوموار کی رات کو خدائی چاندنی چوک کو رونق عطا کرنے والے چاند نے انبساط اور خوشی کے چہرے کو برج جمل میں داخل ہو کر جگمگا دیا ۔ اور مناظر صورت کوانوار حقیقت کی رنگ آمیزی نے اپنی آغوش میں لے لیا (اس چیستان کا مطلب یہ ہے ، کہ ابتدائے موسم بہار میں بادشاہ شکار کھیلنے کو دیپالپور کے نواح میں آیا اور یوں وہاں کے لیل و نہار کا رنگ و روپ تبدیل ہو گیا)

اس کے مقابلے میں ملا صاحب کی زیر بحث تصنیف اٹھا کر پڑھیئے ، نہ استعارہ نہ کنایہ ، نہ ابہام نہ اشکال ، گویا آپ اخبار پڑھ رہے ہیں ، کیا مجال جو طبیعت اکتائے ، فاضل مصنف کی اس تصنیف میں ایک خوبی یہ بھی ہے ، کہ وہ خواص و عوام ہر دو طبقوں کے لئے یکساں مفید ہے ، اگر اول الذکر گروہ اس کے علمی مطالب سے افادہ حاصل کر سکتا ہے ، تو آخر الذکر جماعت کے لئے بھی اس کی دل چسپ حکایات میں استفادے کا اچھا خاصا مواد پایا جاتا ہے ۔

فاضل بدایونی کے دوسرے معاصر خواجہ نظام الدین احمد کے بارے میں مولانا آزاد دکھتے ہیں :

„ عبارت صاف بےتکلف ، بےمبالغہ ، حالات کی تحقیق ، احوالات کی تنقیح ، اخبار کے فراہم کرنے میں بڑی کوشش اور دقت اٹھانا پڑی[۱۵]"

ان الفاظ کا ان سطور سے ، جو ہم پیشتر ملا صحاب کے بارے میں لکھ آئے ہیں ، مقابلہ کیجئے ، صاف معلوم ہوتا ہے ، کہ مولانا آزاد کے یہاں اس

باب میں بداؤنی کا پلڑا کہیں بھاری ہے ، ہر چند مولانا ، ملا صاحب سے چنداں خوش نہیں ، اور جہاں موقعہ پاتے ہیں ـ مناسب اور معقول تنقید سے گریز نہیں کرتے ، لیکن مولانا کی انصاف پسندی ، سچ بات کہنے سے بھی نہیں چوکتی . مولانا سے زیادہ کون جانتا ہے کہ بداؤنی فارسی زبان کے مسلم الثبوت انشا پرداز ہیں ـ وہ چھوٹے چھوٹے فقروں سے تیر و نشتر کا کام لیتے ہیں ـ انداز بیان ایسا دل کش ہے ، کہ بات کانوں کے راستے دل میں اتر جاتی ہے ـ سادگی اور روانی اس پایے کی ہے کہ مشکل سے مشکل مضمون کو آسان سے آسان الفاظ میں ادا کر کے اسے چار چاند لگا دیتے ہیں

تناسخ ہندو مذہب دا اہم ستون ہے اس کے مطابق ، وہ قدامت عالم کے قائل ہیں ـ اور ان کا عقیدہ ہے ، کہ نروان پانے کے لئے انسان کو اعمال کے مطابق کثیر التعداد جون بدلنا پڑتے ہیں ـ چنانچہ مہاتما بدھ کا قول ہے ، کہ وہ ایک ہزار سات سو جنم دیکھ چکے ہیں ـ ملا صاحب تناسخ کے بارے میں لکھتے ہیں :

" گروهی علیحده از ملاحده اند که به تناسخ قائل اند و میگویند که هر که میرد روح او را به جسدی دیگر تعلق می گردد ، نزد ایشان هر زادنی ، مردنی و هر مردنی زادنی دیگر است ، واینها باز چند قسم اند ، قومی می گویند ، که اگر روح بعد از مفارقت بدن ، در بدن شریف دیگر حلول کرد وهم در دنیا به عیش و فراغت گذرایند بهشت او ، همیں جا است و اگر در بدن کثیف فرود آمد ، و به محنت و مشقت گرفتار شد بدوزخ رفت

(ترجمہ)

" گمراہوں کا ایک گروہ تناسخ کا قائل ہے ، کہتے ہیں ـ کہ جو آدمی مرتا ہے ، اس کی روح معاً دوسرے جسم میں داخل ہو جاتی ہے ـ ان کے خیال میں ہر موت نئی زندگی اور ہر زندگی نئی موت ہے ـ پھر ان کے کئی گروہ ہیں ـ

ایک گروہ کا خیـال ھے کہ اگر روح جسم سے علیحدگی کے بعـد کسی اچھے جسم میں داخل ھوتی ھے اور دنیا میں عیش و عشرت سے زندگی گزارتی ھے تو یہی اس کی بہشت ھے ۔ اور اگر کمتر درجے کے جسـم میں داخل ھو جاتی ھے اور مصائب سے دوچار ھوتی ھے ، تو یہ اس کے لئے دوزخ ھو گی ۔)

اسی عنوان کے تحت آ گے چل کر لکھتے ھیں :

این جاشاید کسی را به خاطر رسد ، که بعضی اعیان از اهل عرفان نیز مثل آنچه شاکمونی (ساکیہ مونی : بدھ کا لقب) گفته اند : همچو سبزه بارها روئیده ام ۔ نه صدو هفتاد قـالب دیده ام پس تفاوت میان دوسخن چه باشد ؟ وازین جاست آنکه گفت ، مذهبی نیست ، که تناسخ را در آن قدمی راسخ نیست ، جواب گویم ، که بزرگان اهل کشف و عیان بروز را قـائل اند نه تناسخ ، و میان تنـاسخ و بروز فرقی است بارز ، چه تناسخ آن است که روحی از بدن مرده جدا شود ، وبی فاصله در بدن جنسی که مستعـد حیـات شده باشد در آید و قـالب اول ضایع ومهمل مـاند و این معامله نزد تناسخیه به یک سـاعت بقولی نمی کشد و بروز آن است که روح مکملی به روح کاملی تجـلی کند ، چنانچه مالک و متصرف ومـدبر بر در شهر وجود آن کامـل همین مکمل شود بی آنکه روح آن کامل از بدن مفارقت نماید ۔

(ترجمه)

(یہاں یہ سوال پیدا ھوتا ھے ۔ کہ اگر کوئی شخص کہے ، کہ بعض بلند پایہ عارف مثلاً مہاتمـا بدھ بھی اس خیـال کے موید ھیں اور کہتے ھیں : کہ میں سبزے کی طرح بارھا پیدا ھوا ھوں ، اور میں سـات سو ستر جسموں میں رہ چکا ھوں ، تو دونوں گروھوں میں کیا فرق ھوا ۔ اسی لئے لوگ کہتے ھیں ، کہ دنیا میں کوئی ایسا مذھب نہیں ، جس میں تناسخ موجود نہ ھو ۔

اس کا جواب یہ ھے ، کہ عارف اور بزرگان دین بروز کے قائل ھیں نہ کہ تناسخ کے اور دونوں میں واضح فرق ھے ۔ تناسخ کے معنی یہ ھیں کہ ایک روح، کسی جسم سے علیحدہ ھو کر فوراً دوسرے جسم میں جو زندگی کے لئے آمادہ ھے داخل ھو جائے ۔ اور پہلا جسم بیکار ھو جائے ، بروز کا مطلب یہ ھے ، کہ ایک مکمل روح ایک کامل روح میں جلوہ گر ھو جیسے کہ کسی شہر میں کوئی فاتح یا حاکم داخل ھو کر قابض ھو جاتا ھے ۔ چنانچہ کامل آدمی کا وجود مکمل ھو جاتا ھے اور کامل آدمی کی روح بھی بدن سے علیحدہ نہیں ھوتی)

اس عبارت میں فاضل مصنف نے تناسخ اور بروز میں فرق بیان کیا ھے ، اول الذکر کا تعلق ہندؤں کے عقائد سے اور دوم کا اسلامی تصوف سے ھے/ یہ وھی بروز ھے ، جس کا ذکر قادیانیوں کی کتابوں میں بہ کثرت ملتا ھے ۔ جس کی آڑ میں مرزائے قادیانی خود کو بروزی نبی کہتے تھے ، جیسا کہ مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ھوتا ھے ، بروز میں ایک آدمی کامل ھوتا ھے اور دوسرا مکمل ، اور چونکہ کامل آدمی کو مزید تکمیل کے لئے ایک تکمیل کنندہ کی ضرورت ھوتی ھے اس لئے بقول ملا عبدالقادر بدایونی :

بسیاری از اولیا در زمان حیات خود نیز برکاملان بروز کردہ اند و این بدان ماند ، کہ نور چراغ ضعیف در پرتو چراغ قوی مغلوب شود ، بی آنکہ معدوم گردد و ازین جملہ اند میر سید محمود نور بخش بدخشی و امیر سید محمود جونپوری »

(ترجمہ)

(کئی ایسے اولیا ھو گذرے ھیں ، جو اپنی زندگی کے دوران میں ، کامل لوگوں کے اندر داخل ھو گئے . اس کی مثال ایسی ھے ، جیسا کہ مدھم دیے کی روشنی زیادہ روشنی میں گم ھو جاتی ھے ۔ مثلاً سید محمود نور بخش بدخشی اور سید محمود جونپوری اسی گروہ سے تھے)

یہی صورت حال کشف قبور کی ھے ، اس سے مراد یہ ھے ، کہ بعض خدا رسیدہ لوگ جب بہ صدق و اخلاص کسی میت کی قبر کی طرف متوجہ ہوتے ھیں ، تو وہ میت جس حالت میں بھی ھوتی ھے اس صاحب دل آدمی کو اس کا علم ہو جاتا ھے ، ملا صاحب لکھتے ھیں ۴

" کشف قبور عبارت از همین است ، که بعد ازان که کسی متوجه قبر میت شد ، و توجه تمام به صدق و اخلاص بجانب او گماشت ، ومطلقاً خود را از خود خالی ساخت ، در آن زمان هرچه در خاطر او از احوال میت خطور کند و بر دل نشیند ، کشف است"

(کشف قبور کا یہی مطلب ھے ، کہ کوئی عارف کسی قبر کی طرف متوجہ ہوتا ھے ، اور صدق و اخلاص سے اسے اپنی توجہ کا مرکز بناتا ھے ، اور یوں اپنی ذات کو بھول جاتا ھے ـ اس حالت میں ، جو کچھ بھی اس کے دل میں اس مردے کے بارے میں وارد ھوتا ھے ، اسے کشف قبور کہتے ھیں)۔

ان مثالوں سے واضح ہوتا ھے ، کہ فاضل مصنف کو فارسی زبان پر زبردست عبور حاصل ھے ، اور وہ مشکل سے مشکل مضمون کو سادہ اور عام فہم الفاظ میں ادا کرنے پر پوری مہارت رکھتے ھیں ـ چنانچہ یہ ساری کتاب تقریباً اسی انداز میں لکھی گئی ھے ، لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے ، کہ مرصع اور مقفی زبان لکھنے سے عاجز تھے ، اس کتاب میں بھی کئی ایسے مقام ھیں ، جہاں ملا صاحب نے راھوار قلم کی جولانیاں دکھائی ھیں ، چنانچہ خاتمے میں لکھتے ھیں :

" آورده اند ، که درباغی بلبلی برشاخ درختی آشیانه داشت اتفاقاً موری ضعیف در زیر آن درخت وطن ساخته ، وازبر چند روزه مقام ومسکنی پرداخته ، بلبل شب و روز گرد گلستان در پرواز آمده و بربط نغمات دل فریب درساز آورده ـ مور به الفصال لیل و نهار مشغول گشته و هزار دستان در چمن باغ به آواز خوش غمره شده ـ بلبل

باگل رمزی می گفت ، وباد صبـــا درمیانه غمزی می کرد ـ چون آن مور ضعیف ناز گل ونیـــاز بلبل مشاهده می کـــرد ، بـــزبان مـــی گفت ، ازین قیل و قـــال چه کشاید کار در وقت دیگر پدید آید ، چون فصل بهار برفت و مـــوسم خزان در آمـــد ـ ناگاه باد خـــزان وزیدن گرفت و برگ درختان پریدن ، چنار را برگ زردشد ، ونفس هوا سردگشت ـ از کله ابر درمی ریخت . و از هوا کا فور می بیخت ـ ناگاه بلبل درباغ آمد نه رنگ گل دید ، نه بوئی سنبل شمید »

(کہتے ہیں ، کہ ایک بـــاغ مـــیں درخت کی ایک شـــاخ میں بلبل کا گھونسلہ تھا ـ اتفـــاقاً ایک چیونٹی نے بھی اس کی جڑ میں بل بنا رکھا تھا ـ اور چند روز کے لئے وھاں سکونت کر لی ـ بلبل رات دن بـــاغ مـــیں اڑتا پھرتا اور گانے بجـــانے میں مصروف رھتا ، اسی طرح چیونٹی بھی شب و روز اپنے کام میں مشغول رھتی ـ بلبل صحن باغ میں گا گا کر خود کو مہنمک رکھتا ، پھولوں پر بیٹھ کر ان سے راز و نیـــاز کرتا ـ اس پر باد صبـــا کو چغل خوری کا موقعہ مل جاتا ـ جب چیونٹی گل و بلبل کے راز و نیـــاز کا مشاھدہ کرتی تو وہ زبان حال سے کہتی کـــہ اس قیـــل و قـــال کا مـــآل جـــلد ھی ظاھر ھو جائیگا ـ جب مـــوسم بہـــار ختم ھو گیا ، اور پت جڑ کے دن آ گئے ـ تو بـــاد خـــزاں کے چـــلنے سے درختـــوں کے پتے گـــرنے لگ گئے ـ چنار کے پتے بھی زرد پڑ گئے اور ھوا کے جھونکے ٹھنڈے ھو گئے ، بـــادل سے برف کے گالے برسنے لگے ، اور ھوا نے کافور بکھیرنا شـــروع کی ـ ناگاہ بلبل باغ میں آیا تو نہ پھولوں مـــیں رنگ باقی تھا اور نہ سنبل میں خوشبو تھی)

مولانا آزاد ، دربار اکبری مـــیں لکھتے ھیں ـ کہ جب ابو الفضل اکبر نامہ کی تحـــریر مـــیں مصـــروف تھے ، اراکین سلطنت میں سے کسـی نے ملا صاحب سے کہا ، آج کل اکبر نامہ کی تحـــریر کی دھوم مچی ھے ، آپ بھی اھل قـــلم ھیں ـ اکبر نامہ کی طرز میں طبع آزمائی کیجئے ، تاکہ لوگوں کو

معـــلوم هو ـ که اس میـدان مـــیں بهی آپ کا قلم کند نهیں ، ملا صـــاحب کب چوکنے والے تهے ، غنچه سے قلمدان منگوایا ، اور لکهنے بیٹهـ گئے ، آئیے یه نقشه آپ بهی دیکهـ لیں :

« درین سال تعمیر شهر نگر چین واقع شد . وسطری چند که یکی از اعیان دولت در وقت تالیف اکبر نامه به فقیر فرموده بود ، که درین باب بنولیسد آن را به جنس ایراد می نمـــاید ـ چون مهندس کارخانه ابداع ، اندیشه بلند شهر یار کامـــگار را کـــه معمار معموره گـــیتی خصـــوصاً بنائی مقصوره هـــند است . از آغـــاز فـــطرت اختراع آئین ایجـاد فرموده . هر سر منزلی و هر گل زمینی را که هوائی آن معتـــدل و فضائی آن فسخ آیش گوارا وسوادش مسطح باشد تعمیر بخشیده ، محل نزول اجـــلال مواکب اقبال ســـازد ، چـــه اختیار اماکن منزه و مســـاکن طیبه ، بهر ابقائی صحت بدنی و اجتماعی اعتدال مـــزاج انسانی از جمله ضروریه است »

(ترجمه)

« اس ســـال نگرچین نامی شهر کی تعمیر شروع هـــوئی ، اور وه چند سطور جـــو اعیان دولت مـــیں سے ایک عهده دار کی فرمائش کے جـــواب میں ، جو انهوں نے اکبر نامه کی تالیف کے مـــوقعه پر مجهـ سے کی تهی اور جو میں نے (اکبر نامه کے تتبع میں) تحریر کی تهیں ،بجنســـه درج کـــرتا هوں : جب کارخانه ایجاد کے ریاضی دان نے ، شهر یار کامران کی فـــکر بلند کو (جـــو اس معموره عـــالم ، اور بالخصـــوص سر زمین هنـــد کو آباد کرنے والا هے) ابتـــدائے آفرینش هی سے جـــدت پسند اور اختراع کننـــده بنایا هے ، اس لئے هر ایسے مقـــام اور هر سر سبز خطـــه زمـــین کو جس کی آب و هوا معتدل اور جس کی فضـــا کشاده اور فرح بخش هے جس کی آس پاس کی زمین همـــوار ، وهاں عمارتیں کهڑی کر دی هیں ، تاکه بادشاه اسے اپنـی

تشریف آوری اور اپنے کو کبــہ اقبال کے آنے سے مشرف کرے ـ کیونکہ بدنی صحت اور اعتدال مزاج کی حفاظت کے لئے صاف ستھرے مکانات اور پاکیزہ قیام گاھیں ، ضروری اور اهم امــور میں شــامل هیں ـ

اصل اور نقل کا فرق واضح ہے ، بلاشبہ اکبر نامہ کی تحریر کا مقــام کہیں بلند هے ـ لیکن ان سطور کے نقل کرنے سے همارا مقصد موازنہ نہیں ـ بلکہ یہ دکھانا هے ـ کہ ملا صاحب ، اکــبر نامہ کی سی مــرصع نــثر لکھنے پر بھی قــادر تھے ، اس کی مــثال بالکل ایسی ہے ، جیسا کــہ ابو الفضل ســادہ نثر لکھنا چاہیں تو آپ دیکھیں گے ، کہ وہ بھی اپنا معیار فضیلت قائم نہ رکھ سکیں گے ، و لکل وجہــۃ ھو مولیہا ـ

یہاں اس امــر کا ذکــر بےمحل نہ هــو گا ، کہ مــلا بدایونی کی شہرت کا تمام تر مــدار ان کی شہرہ آفاق کتاب منتخب التوریخ پر هے ، جو بڑی تقطیع کی تین جــلدوں میں بارہا چھپ چکی هے ، اور جــو اپنے عہد کی بہترین تصــانیف میں شــمار ہوتی هے ـ هم نے اس مضمون میں ان کی اس تصنیف کا اس لئے ذکر نہیں کیا ، کہ ملا صاحب کی وہ کوشش ، اپنــی فصاحت و بلاغت اور مطالب عالیہ کی بنا پر اس امر کی مستحــق هے ، کــہ اس کے ادبی محاسن اور مــندرجــات پر بالتفصیل علیحدہ بحث کی جائے ـ

اس کتاب کی اشــاعت کا سہرا اکیڈیمی ادبیــات پاکســتان ، کلب روڈ لاهور کے سر هے ـ اس وقت تک یہ ادارہ کــم و بیش اڑھــائی درجــن کتابیں شــائع کر چکا هے ـ جن میں اس کــتاب کے عــلاوہ بعض ایسی بیش بہا کتب بھی شامل هیں ـ جن کی اشاعت سے پاکستانی فارسی ادب میں بیش بہا اضافہ هوا هے (٦) .

★★★★★

حوالہ جات

۱) دربار اکبری ، مطبوعہ لاہور ، ۱۹۲۷ ، صفحہ ۳۲۰
۲) انشائی فیضی بہ حوالہ دربار اکبری ، صفحہ ۳۵۵
(۳) دربار اکبری صفحہ ۳۵۴ .
(۴) دربار اکبری ، صفحہ ۳۹۵ .
(۵) دربار اکبری ، صفحہ ۸۳۱
(٦) نجات الرشید ساڑھے پانسو صفحات پر مشتمل ہے ، جسے ڈاکٹر معین الحق صاحب نے مرتب کر کے نہایت مفید حواشی لکھے ہیں ۔ آخر میں رجال ، اماکن اور کتب کی فہرست ہے جس سے کتاب کی قدر و قیمت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے ۔ کتاب کی قیمت چوبیس روپے ہے ، جو ادارے کے دفتر سے مل سکتی ہے ۔